© rasailojaraid.com

مرزا رحیم بیگ محمد درویش عظیم آبادی شہیدؒ

از تبرکات

(حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی رحمۃ اللہ علیہ)

ہم اس مقالہ کے لئے اپنے دوست سُہیل صاحب عظیم آبادی کے ممنون ہیں جنہوں نے اُس قدیم و عمیق تعلق کی بنا پر جو حضرت مولانا مرحوم کو "برہان" اور اُس کے کارکنوں سے تھا، یہ مضمون مرحمت فرمایا ایک وقت تھا کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے مضامین سے "برہان" کا کوئی نمبر مشکل ہی سے خالی جاتا تھا، ایک یہ وقت ہے کہ اُن کے مقالات کی دید کے لئے آنکھیں ترستی ہیں، آج بے اختیار اس عالم بے بدل کی یاد تازہ ہو رہی ہے اور ہم اس تبرک کی اشاعت کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

"برہان"

"ہندوستان، خراسان ماوراء النہر یعنی ترکستانی علاقوں کے سوا تاتاری ممالک کے وہ حصے جہاں اسلام پایا جاتا ہے، اسی طرح عراق جزیرہ عرب، شام، قسطنطنیہ اور ان کے آس پاس مسلمانوں کی آبادیوں میں اس شخص کا طریقہ پہنچا زبانوں پر اس طریقہ کی مدح وستائش اور دلوں کو اس کی عظمت وعزت کے اثر سے لب ریز پا ؤ گے لوگ اس طریقہ کی طرف منسوب ہونے کو سرمایۂ افتخار بنائے ہوئے ہیں اور اپنے لئے اس انتساب کو موجب برکت وسعادت خیال کرتے ہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ افریقہ کے دور دست علاقے مثلاً) مغرب اقصیٰ، فاس مراکش تک اس طریقہ کی شہرت ہی نہیں پھیلی ہوئی ہے، بلکہ عملاً افریقہ کی ان اسلامی آبادیوں میں بھی یہ طریقہ داخل ہو چکا ہے" الیانع الجنی ص۹۲

یہ عربی زبان کی مشہور و متداول کتاب الیانع الجنی[1] کی عبارت کا لفظی ترجمہ ہے

---

[1] فصیح وبلیغ بلکہ گونہ مسجع ومقفی عربی میں یہ کتاب بہار ہی کے عالم مولانا محسن الترحتی نے مدینہ منورہ (بقیہ حاشیہ برصفحہ آئندہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سرزمین ہند میں مہاتما بدھ کے بعد جہاں تک میرا خیال ہے، یہ دوسری شخصیت ہے جس کے دینی اور روحانی کارناموں کا چرچا ہندوستان کے حدود کو پھاند کر بیرون ہند کے ان علاقوں تک پھیل گیا، جن کا ذکر مذکورہ بالا تاریخی وثیقہ میں کیا گیا ہے۔

یہ اکبری و جہانگیری عہد کے مشہور روحانی پیشوا سیدنا شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بابرکات تھی حضرت مجدد ہندوستان (سرہند) میں پیدا ہوئے ایک دن کے لئے بھی ہندوستان سے باہر جانے کا موقعہ آپ کو نہیں ملا۔

ایک ہزار سال کے بعد دین اسلامی کے مختلف پہلوؤں کے متعلق آپ کے تجدیدی اور انقلابی کارنامے جن سے دنیائے اسلام متاثر ہوئی، سب ہندوستان ہی میں انجام دئے گئے، یہ ایک طویل داستان ہے اور اسلامی ہند کی تاریخ کا ایک اہم اور غیر معمولی حصہ ہے۔

جس تحقیق و توجہ کا قدرتی استحقاق ہماری تاریخ کے اس حصہ کو حاصل ہے گو اس کا یہ حق اب تک ادا نہیں ہوا ہے۔ پچھلے چند دنوں سے کام کرنے والوں کے سامنے کچھ چیزیں آئی بھی ہیں تو وہ بھی حد سے زیادہ تشنہ، ناقص اور ادھوری شکلوں میں، جیسے جیسے دن گذرتے جائیں گے ہندوستان میں اسلام کی تجدید پر یہ کام جس طریقہ سے انجام پایا ہے، لوگوں کے سامنے خود وہ اور اس کی اہمیت واضح ہوتی چلی جائے گی کچھ نہیں تو مضمون کی پیشانی پر جس تاریخی شہادت کو میں نے درج کیا ہے اس کو پڑھ کر پڑھنے والے اندازہ کر سکتے ہیں کہ اسلام کی تجدید کا یہ مذہبی قالب کہاں کہاں پہنچا، اور کن کن

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) میں لکھی اور ہندوستان سے شائع ہوئی، کتاب میں ضمناً جن معلومات کا تذکرہ کیا گیا ہے، حد سے زیادہ قیمتی ہیں۔ مولانا محسن مرحوم کے پاس عربی مخطوطات کا بہترین کتب خانہ خضر چک (ضلع مونگیر) متصل بارہ میں اس وقت تک موجود ہے، گو بہت سی کتابیں ضائع ہو چکی ہیں لیکن کافی ذخیرہ اب بھی موجود ہے کاش (خضر چک) کا وقف ان کتابوں کی نگرانی کا حق ادا کرے ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علاقوں کے مسلمانوں کی دینی زندگی اس سے متاثر ہوئی۔

اس وقت تک اسلام کا زیادہ تر اپنا وطن ایشیا، اور افریقہ ہی میں ہے، آگے کیا ہوگا یہ تو خدا جانے لیکن واقعہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے خصوصی وطن (ایشیا، اور افریقہ) میں آپ دیکھ رہے ہیں، کوئی قابل ذکر مقام یقیناً ایسا باقی نہیں رہا ہے جہاں اسلام کے اس ہندی قالب یعنی طریقہ مجددیہ کی تاثیری و تسخیری وسعتوں کا ذکر مذکورہ بالا شہادت میں نہ پایا جاتا ہو۔ اور جاننے والے جانتے ہیں کہ مورخ کی اس شہادت میں قطعاً مبالغہ یا غلو سے کام نہیں لیا گیا ہے مواصلات ورسل ورسائل میں آج تو دنیا کہاں سے کہاں پہنچ چکی ہے لیکن طریقہ مجددیہ ایشیا و افریقہ کے ان علاقوں میں جب روشناس ہوا تو کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت تک جہاں تک بدھ کے زمانے میں ان کا جو حال تھا اس میں مشکل ہی سے ترمیم و ترقی ہوئی تھی، وہی سواریاں تھیں، راستوں کا حال بھی وہی تھا، پھر جیسے تاریخ کے اس واقعہ کو ہم حیرت کے ساتھ سنتے ہیں کہ بدھ کا پیغام ہندوستان سے نکل کر ایک طرف چین و جاپان اور دوسری طرف ترکستان وایران، شام و مصر تک پہنچ گیا تھا۔ کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ اسلام کی تجدید و صیقل گری کا جو انقلابی کارنامہ ہندوستان کے لئے مقدر تھا، وہی ہندوستان سے باہر نکل کر وسط ایشیا، عرب، مصر، شام، ترکی سے گذرتے ہوئے مغربی افریقہ کے حدود تک پہنچتے ہیں کیسے کامیاب ہوگیا، چاہیئے کہ ہندوستان کی تاریخ کی یہ عجیب و غریب کامیابی بھی لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے۔

اس کی تحقیق کی جاتے کہ بیرون ہند کے ان دور دست علاقوں تک طریقہ مجددیہ کیسے پہنچا، پتہ چلایا جائے کہ آخر کیا صورتیں پیش آئیں، جن کی بدولت اس زمانہ میں جب مواصلات کی ...... موجودہ آسانیوں سے دنیا محروم تھی اسلام کی تجدید کا یہ پیغام ہندوستان سے ان ممالک تک پہنچا ہی نہیں بلکہ غیر معمولی حسن قبول اس کو کیسے حاصل ہوا جہاں آج بھی ہندوستان کی باتوں کا پہنچنا یا پہنچانا آسان نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہندوستان کی تاریخ کا عموماً اور اسلامی ہند کی تاریخ کا خصوصاً یہ ایک بڑا اہم سوال ہے جس کے تفصیلی جواب کے لئے تو غالباً دفتروں کی ضرورت ہوگی، سردست اس سوال کے جواب کی صرف ایک کڑی کا میں تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔ جس کا تعلق ہمارے وطن کی خاک پاک بہار سے ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی ہی میں ہندوستان کے اطراف واکناف، بلکہ تقریباً ہر صوبہ میں آپ کے خلفاء اور مریدوں کی کافی تعداد پھیل چکی تھی، اسی زمانہ میں مجدد صاحب کے تعلقات بیرون ہند کے بعض علاقوں مثلاً کابل بدخشاں، بخارا، کاشغر وغیرہ کے لوگوں سے قائم ہو چکے تھے[1] آپ کی وفات کے بعد بھی کچھ ایسے اسباب پیدا ہوتے رہے کہ آہستہ آہستہ ہندوستان کے باہر کے مسلمانوں کی توجہ بھی آپ کی طرف اور آپ کے تجدیدی کارناموں کی طرف کسی نہ کسی شکل میں منعطف ہوتی رہی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خداداد حسن قبول کی نعمت سے آپ سرفراز تھے۔ اسی سے اندازہ کیجئے کہ تحریری اور کتابی شکل میں بجز چند مختصر رسالوں کے حضرت مجدد رحؒ کی یادگار صرف آپ کے مکتوبات اور خطوط کا وہ مجموعہ ہے، جو تین جلدوں میں مرتب ہو کر مشہور اور لوگوں میں متداول ہوا، آپ کے یہ خطوط عموماً فارسی زبان میں ہیں لیکن ان ہی خطوط کا ترجمہ مشرقی روس کے ایک قازانی مسلمان ملا مراد نے عربی زبان میں کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عربی زبان کی معتبر کتابوں میں حضرت مجدد کے اقوال نقل ہونے لگے، خصوصاً مشہور بغدادی عالم علامہ شہاب محمود آلوسی کی مشہور تفسیر جو سلطان عبد الحمید ترکی خلیفہ کے عہد میں روح المعانی کے نام سے نو جلدوں میں شائع ہوئی ہے، اس تفسیر میں تو مجدد صاحب کے مکتوبات کے حوالہ

---

[1] کابل پر مجدد صاحب کے اثر کا اندازہ اسی سے ہوتا ہے کہ مرحوم امیر حبیب اللہ خاں والی کابل ہندوستان جب تشریف لائے تھے تو انگریزی حکومت محض ان کی خاطر سے سرہند جہاں حضرت مجدد کا روضہ پاک ہے ایک خاص قسم کی ٹرین کے پہنچانے پر مجبور ہوئی جو صرف ایک ہی لائن پر چل کر سرہند پہنچتی تھی بعد کو بھی یہ سلسلہ جاری رہا اب غالباً معمولی [illegible] کر دی گئی ہے ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے بکثرت اقتباسات پیش کئے گئے ہیں۔

بہر حال میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ منجملہ دوسرے اسباب کے ایک بڑا سبب جس کی وجہ سے سمجھا جاتا ہے، کہ بیرونِ ہند کے اسلامی علاقوں میں طریقہ مجددیہ کا غیر معمولی چرچا پھیلا، وہ یہ ہے کہ شہر زور (علاقہ کردستان) کے ایک بزرگ شیخ خالد کردی اٹھارہویں صدی عیسوی کے آخر میں شہر زور سے دلّی پہنچے۔ اس زمانہ میں مجددیہ طریقہ کے ایک بزرگ حضرت مولٰنا غلام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت مرزا مظہر جانجاناں شہید قدس اللہ سرہ کے خلیفہ دلّی میں اس طریقہ کے سب سے بڑے شیخ کی حیثیت سے لوگوں کی تعلیم و تربیت میں مصروف تھے، کل چار واسطوں سے مولٰنا غلام علی شاہ کا سلسلۂ ارادت و خلافت حضرت مجدد سے مل جاتا ہے، یعنی وہ مرید حضرت مرزا صاحب[۱] شہید کے مرزا صاحب مرید تھے سیّد[۲] نور محمد بدایونی کے اور ان کو بیعت تھی شیخ سیف[۳] الدین سے، شیخ سیف الدین خلیفہ اور جانشین تھے شیخ محمد[۴] معصوم کے یہی شیخ محمد معصوم حضرت مجدد کے فرزندِ جسمانی اور روحانی تھے۔ یہی شیخ خالد کردی حضرت غلام علی شاہ صاحب سے مرید ہوئے اور دلّی میں (۹) مہینے قیام کر کے شاہ صاحب کی زیرِ نگرانی رہ کر طریقہ مجددیہ کے سلوک کی تکمیل کرنے کے بعد باضابطہ سندِ خلافت کے ساتھ کردستان اپنے وطن واپس ہو گئے، ہندوستان سے واپسی کے بعد لوگوں میں شیخ خالد کردی کی ہر دل عزیزی بڑھتے ہوئے اس نوبت کو پہنچی کہ دیکھنے والوں نے لکھا ہے۔

"گویا سلطنت آں دیار بایشاں تعلق یافت" ص۲۷ ضمیمہ مقامات مظہری

کردستان اس وقت ترکی حکومت کے محروسہ میں داخل تھا۔ چند ہی دنوں میں سارے ترکی مقبوضات عرب، شام، ایشیا کوچک قسطنطنیہ وغیرہ میں شیخ خالد کردی کی شہرت پھیل گئی۔ بیان کیا گیا ہے کہ

"خلفاء ایشاں وخلفاء خلفاء ایشاں تا بایک[?] رسید ... شد" ضمیمہ ص۲۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خلفاء کی تعداد "ہزارہا" تک جس کے پہنچی ہوئی ہو، ظاہر ہے کہ اس کے عام مریدوں اور عقیدت مندوں کا حال کیا ہوگا مولانا شبلی مرحوم نے روم و شام کی سیاحت اپنی جوانی میں کی تھی۔ جب جہاز پر قسطنطنیہ جارہے تھے۔ تو اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ جہاز ہی میں ان کی ملاقات ایک شامی عالم سے ہوگئی، جو رشتہ میں شیخ خالد کردی سے تعلق رکھتے تھے لیکن قسطنطنیہ پہنچ کر دیکھا کہ بڑے چھوٹے، امراء وزراء عام لوگوں میں ان ہی شامی عالم کو احترام کا ایسا مقام حاصل تھا کہ ان کی وجہ سے خود مولانا شبلی کو اس اجنبی شہر (قسطنطنیہ) میں بڑی آسانیاں میسر آئیں[1]، یہ سارا احترام محض شیخ خالد کردی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت کی وجہ سے تھا، اور مولانا شبلی کو ہندی ہونے کی وجہ سے یہ فائدہ پہنچا کہ شامی عالم کے پیر طریقت کے دیس سے ان کا وطنی تعلق تھا، کچھ بھی ہو یہ تسلیم کرلیا گیا ہے کہ طریقہ مجددیہ کو ہندوستان سے باہر روشناس کرانے میں شیخ خالد کردی ہی کے وجود با جود کو بہت زیادہ دخل ہے۔

یہاں یہ تاریخی سوال پیدا ہوتا ہے کہ شیخ خالد کردی تک اس طریقہ کا ذکر اور مولانا غلام علی شاہ جو دلی میں اس طریقہ کے سب سے بڑے مرکزی معلم اور شیخ تھے۔ ان کا علم شیخ خالد کردی کو کس ذریعہ سے ہوا اسی سوال کا میں جواب دینا چاہتا ہوں، مولانا شاہ عبدالغنی مجددی رح جو علماء دیوبند کے بزرگوں کے حدیث میں استاذ ہیں وہی شیخ خالد کردی کے متعلق اطلاع دیتے ہیں کہ اپنے ملک (کردستان) کے ممتاز علماء میں شمار ہوتے تھے۔

---

[1] شامی عالم کا نام عبدالفتاح بتلاتے ہوئے مولانا شبلی نے لکھا ہے کہ ان کی اتفاقی معیت میری تمام کامیابیوں کی دیباچہ تھی صـ۲۲ یہ بھی مولانا شبلی ہی کا بیان ہے کہ شیخ خالد سے یہاں کے یعنی قسطنطنیہ کے لوگوں کو اس قدر ارادت ہے کہ ان کا نام نہیں لیتے بلکہ "حضرت" کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں، شیخ عبدالفتاح شیخ خالد کے بھتیجے تھے، افسوس ہے کہ اس موقعہ پر مولانا شبلی کے قلم سے بعض خلاف واقعی باتیں نکل گئی ہیں۔ مثلاً شیخ خالد کو مولانا نے لکھ دیا ہے کہ دمشق کے رہنے والے تھے۔ حالانکہ وہ شہر زور کردستان کے باشندہ تھے اسی طرح شیخ خالد کو مرزا مظہر جانجاناں کا لکھا ہے کہ مرید تھے۔ مگر یہ صحیح نہیں ہے مرزا صاحب کے خلیفہ حضرت مولانا غلام علی شاہ کے مرید و خلیفہ شیخ خالد محمد کردی تھے ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"در ہر فن استعداد عجیب داشتند"

حتیٰ کہ فارسی اور عربی زبان کی شعر و شاعری میں جو ملکہ شیخ خالد کو حاصل تھا اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

"سبقت از فردوسی و فرزدق بردہ بود" ص۲۶

شہر زور میں ان کا مدرسہ تھا، وہیں درس و تدریس کا کام کرتے تھے مگر اسی کے ساتھ

"داعیہ خدا طلبی در سر داشتند"

اب یہیں سے حضرت مولانا عبد الغنی مجددی کی بات سننے کی ہے، فرماتے ہیں کہ جس زمانہ میں شیخ خالد پڑھنے پڑھانے کے مشغلوں میں منہمک تھے کہ

"اتفاقاً مرد در مرزا رحیم اللہ بیگ کہ جہاں گشت بود پریشاں شد"

یعنی شیخ خالد کردی کے وطن شہر زور میں مرزا رحیم اللہ بیگ کا گذر ہوا، جو جہاں گشت آدمی تھے۔ شیخ خالد اور مرزا رحیم اللہ بیگ میں ملاقات ہوئی، باتوں باتوں میں لکھا ہے کہ شیخ خالد کردی نے ایک دفعہ

"شکایت از عدم وجدانِ مرشد نمود"

یعنی اللہ کی راہ بتانے والا آدمی اس زمانہ میں میسر نہیں آتا، اس کی شکایت مرزا رحیم اللہ بیگ سے شیخ خالد کردی نے کی جس کے جواب میں مرزا رحیم اللہ بیگ نے اپنے دہلوی پیر و مرشد حضرت مولانا غلام علی شاہ مجددی کا تذکرہ کیا، مولانا عبد الغنی مجددی نے ارقام فرمایا ہے کہ

"بحسن دلالت مرزا صاحب (یعنی مرزا رحیم اللہ بیگ) بحضرت دہلی (شیخ خالد) رسیدند" ص۲۷ ضمیمہ مقاماتِ مظہری، مطلب جس کا یہی ہوا کہ طریقۂ مجددیہ کو ہندوستان سے باہر روشناس تو حضرت شیخ خالد کردی نے کرایا، لیکن شیخ خالد کردی تک اس طریقہ کا ذکر مرزا رحیم اللہ بیگ کے ذریعہ پہنچا، دوسرے لفظوں میں منطقی نتیجہ اس کا اگر یہ نکالا جائے کہ طریقۂ مجددیہ کا ہندوستان سے باہر جو کچھ بھی چرچا پھیلا۔ لوگوں میں حُسنِ قبول

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس طریقہ کو حاصل ہوا۔ اس کا ایک بڑا ذریعہ مرزا رحیم اللہ بیگ ہی کا وجود تھا، تو اس کے انکار کرنے کی بظاہر کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔

اب یہی مولانا عبد الغنی مجددی رحمۃ اللہ علیہ اپنی اسی کتاب میں مرزا رحیم اللہ بیگ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

مرزا رحیم اللہ بیگ مسمی بہ محمد درویش عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ ترک علاقہ روزگار نمودہ بحضرت ایشاں شتافتند کسب نسبت نمودند، و باجازت و خلافت مشرف شدند ص۳۵ ضمیمہ مقامات مظہری

مرزا رحیم اللہ بیگ جو لوگوں میں محمد درویش عظیم آبادی کے نام سے مشہور تھے۔ ہر قسم کے روزگار سے بے تعلق ہو کر آپ کی (یعنی شاہ غلام علی کی خدمت میں) حاضر ہوئے اور (مجددیہ طریقہ) کی نسبت حاصل کی، اجازت اور خلافت کی نعمت سے بھی سرفراز ہوئے۔

یہی میں کہنا چاہتا تھا کہ مضمون کی پیشانی پر جس تاریخی وثیقہ کو میں نے نقل کیا ہے، جس کو پڑھنے کے بعد بھی کہا جا سکتا ہے کہ جہاں تک بدھ کے بعد شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی دوسرے بزرگ ہیں، جن کو اور جن کے تجدیدی کارناموں کو ہاتھوں ہاتھ ہندوستان سے باہر دور دست علاقوں میں لیا گیا۔ بجائے خود اس واقعہ کی تفصیل جو کچھ بھی ہو۔ لیکن ہندوستان کی تاریخ کے اس حصہ پر کام کرنے والے جب کام کریں گے تو ان کو نظر آئے گا، کہ جیسے بدھ اور بدھ کی تعلیمات سے بہار کی سرزمین کا خصوصی تعلق ہے اسی طرح طریقہ مجددیہ کو عالمگیر بنانے میں بھی بہار ہی کے خاک کو ماننا جائے گا۔ کہ بہت بڑا دخل ہے۔

افسوس ہے کہ مرزا رحیم اللہ بیگ کے متعلق بجز اس بات کے کہ وہ "عظیم آبادی" تھے۔ باوجود تلاش و تحقیق کے اب تک پتہ نہ چل سکا کہ براہ راست ان کا گھر عظیم آباد (پٹنہ) ہی تھا، یا عظیم آباد کے علاقے کی کسی دوسری آبادی میں وطن تھا، اور دستور کے مطابق لوگ ان کو عظیم آبادی کہنے لگے۔ الغرض مرزا صاحب کا بہار سے کیا تعلق تھا۔ اس کی تفصیل ب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تک تشنۂ تحقیق ہے مگر اتنی بات یقینی ہے کہ تھے وہ بہر حال عظیم آبادی ہی، اس کے سوا مرزا صاحب کے کچھ ذاتی حالات اب تک جو کچھ معلوم ہو سکے ہیں وہ بھی کم عبرت انگیز نہیں ہیں۔ اب اس کی مختصر داستان عرض کرتا ہوں۔

ہر قسم کے روزگار اور معاشی ذرائع سے قطع تعلق کر کے دلی حضرت شاہ غلام علی صاحب کی خدمت میں مرزا رحیم اللہ بیگ حاضر ہو گئے تھے اس کا ذکر تو آپ مولانا عبد الغنی مجددی کے حوالہ سے سن چکے، وہی اپنی اس کتاب میں یہ بھی اطلاع دیتے ہیں کہ

"از والدین حقوق معاف کنانیدند"

یعنی مرزا رحیم اللہ بیگ جو اب محمد درویش عظیم آبادی کے نام سے مشہور تھے۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ شاہ غلام علی صاحب سے اجازت و خلافت حاصل کرنے کے بعد بہار اپنے وطن واپس ہوئے والدین اس وقت تک مرزا صاحب کے زندہ تھے۔ ان کی خدمت کے جو حقوق تھے ماں باپ سے عرض کیا کہ ان کو معاف کر دیں۔ اور اللہ کی راہ میں کام کرنے کی اجازت عطا فرمائیں کیوں کہ معافی حقوق کے بعد شاہ عبد الغنی صاحب نے لکھا ہے کہ

"در امر معروف ونہی عن المنکر خوفے نداشتند" ص ۳۵

سیدھے سادے لفظوں میں جس کا مطلب یہی ہے کہ مسلمانوں کو اسلامی مطالبات کی تعمیل پر آمادہ کرنے میں خوف اور خطرے کے خیال کو مرزا رحیم اللہ بیگ نے اپنے سامنے سے ہٹا دیا تھا، اور اسی سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ جس مہم کے لئے وہ اٹھے تھے اپنے والدین سے حقوق جس خدمت کے ذوق میں مرزا صاحب نے معاف کرائے تھے، یہ مہم اور خدمت کچھ اس نوعیت کی تھی جس میں خوف اور خطرہ کے پیش آنے کا اندیشہ کیا جا سکتا تھا۔ مولانا عبد الغنی مجددی رحمۃ اللہ علیہ کی اس اجمالی خبر کو ان معلومات کی روشنی میں جو اب آپ کے سامنے رکھے جاتے ہیں، سوچیے

(۱) بالاتفاق مرزا رحیم اللہ بیگ کے تمام تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ ۱۲۶۴ھ ۱۸۴۷ء میں ہزارت کے علاقہ سنرہ وار میں وہ شہید کر دیے گئے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲) یہ وہ زمانہ ہے جب مشرق پر یورپ والوں کی یورش اپنے عروج کے آخری نقطہ تک گویا پہنچ چکی تھی، ہندوستان پر برطانیہ کا تسلط عملاً ہو چکا تھا، اسی تسلط کے مقابلہ میں مرزا صاحب کی شہادت کے کل دس سال بعد ہندوستان میں ۱۸۵۷ء کی شورش ہوئی اور وسط ایشیا کی اسلامی ریاستوں کو پامال کرتے ہوئے روس دوسری طرف اپنے پنجے کو ان ممالک میں مضبوط کر چکا تھا، بخارا، خیوہ وغیرہ کے امیروں کو روس اپنے زیر اقتدار لا چکا تھا۔ کابل کی طرف للچائی ہوئی نظریں ڈالتے ہوئے ہرات کے علاقہ میں سازش کا جال روسی حکومت بچھا چکی تھی، جس سے انگریز ہندوستان میں خطرہ محسوس کرتے تھے۔

(۳) مرزا رحیم اللہ بیگ محمد درویش عظیم آبادی کے پیر و مرشد اور شیخ طریقہ حضرت مولانا غلام علی شاہ مجددی رحمۃ اللہ علیہ کے اندرونی رجحانات کا پتہ ان کے اس تاریخی مکتوب سے چلتا ہے جو فتاویٰ عزیزیہ کے مجموعہ میں اس وقت تک شریک ہے اور مطبوعہ شکل میں ہمارے پاس موجود ہے۔ اس خط کا قصہ یہ ہے کہ کلکتہ کو اپنا پایۂ تخت بنانے کے بعد ہندوستان پر اپنے اقتدار کو مستحکم و مضبوط کرنے کے لئے انگریز جہاں بیسیوں الٹی سیدھی تدبیریں کر رہے تھے۔ ان میں ایک تدبیر یہ بھی سوچی گئی کہ مسلمانوں کو مانوس بنانے کے لئے کلکتہ میں "مفتی اعظم" کا ایک امتیازی عہدہ قایم کیا جائے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت شاہ ولی اللہ کے بڑے صاحبزادے اور دلّی میں ان کے جانشین برحق تھے۔ اس زمانہ میں ہندی مسلمانوں کے ماویٰ و ملجا وہی بنے ہوئے تھے۔ مسلمانوں کی عمومیت پر شاہ عبدالعزیز کا جتنا اثر تھا۔ اس میں کوئی دوسرا مولوی اقطارِ ہند میں ان کا مدِمقابل نہ تھا دہلی میں شاہ عبدالعزیز کا مدرسہ بھی تھا، اور اس کے سوا بھی سارے دینی کاروبار کا مرکز ان کا آستانہ بنا ہوا تھا۔ کلکتہ میں انگریزوں کے کوئی بڑے مسلمان عہدہ دار مولوی رعایت علی نامی تھے جو اس زمانہ میں "مختار کار فرنگی" سمجھے جاتے تھے، انگریزی حکومت کے اشارہ سے مولوی رعایت علی صاحب باضابطہ سرکاری مراسلے شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

.... مضمون کے مسلسل روانہ کر رہے تھے کہ کسی اچھے مستعد دین دار عالم کو جو رشوت نہ لے، کلکتہ روانہ فرمائیے۔ تاکہ ان کو "مفتی اعظم" کے عہدہ پر بحال کر کے تمام مقدمات میں ان ہی سے مشورہ لے کر فیصلہ کروں، شاہ صاحب نے پہلے تو جواب میں حیلوں حوالوں سے کام لیا، خود ہی لکھا ہے کہ میں نے مولوی رعایت علی کو لکھا کہ بھائی! تم فرنگیوں کے ملازم ہو۔ ہم جس مولوی کو بھیجیں گے۔ ممکن ہے کہ اس سے تم انگریزوں کی مرضی کے مطابق فتوے لو، اس بے چارے کا دین غارت ہو جائے گا۔ اور تم اس سلسلہ میں کچھ کر بھی نہیں سکتے کہ نوکر ہو، نوکر تو اپنے آقا کے آگے بے دست و پا ہوتا ہے، اس کے جواب میں مولوی رعایت علی نے لکھا کہ مفتی صاحب جو یہاں مقرر ہوں گے۔ ان کو تو انگریزوں کی صورت دیکھنے کی بھی ضرورت نہ ہوگی۔ اور مذہب کے خلاف ان سے قطعاً فتوےٰ نہ لیا جائے گا۔ ان کو قطعی آزادی حاصل ہوگی کہ اپنے علم کے مطابق مجھے مشورہ دیں۔ اس کا اطمینان بھی مولوی رعایت علی نے شاہ عبدالعزیز صاحب کو دلایا کہ کلکتہ میں ان کو انگریزوں کے علاقہ سے کسی دور جگہ پر مستقل مکان رہنے کے لئے دیا جائے گا۔ اور اپنے اسی مکان میں بیٹھ کر

"آنچہ موافق شرع محمدی باشد علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام بے دغدغہ وبے وسواس حکم نمائید"

(فتاویٰ عزیزیہ ص۹۱)

بار بار کلکتہ سے دلّی شاہ صاحب کی خدمت میں مولوی رعایت علی کے مراسلے اسی مضمون کے جب پہنچے تو اپنے مدرسہ کے ایک مستعد عالم کو جن کا نام مولوی عبدالحیّٰ تھا کلکتہ جانے کی اجازت اس شرط کے ساتھ دی کہ

"مولوی عبدالحیٰ صاحب ازیں جا روند اگر مفاسد مظنونہ موہومہ نباشد فبہا، والا برخاستہ بیایند" ص۹۲

یعنی کلکتہ پہنچ کر تجربہ کریں انگریزوں کے دباؤ کی وجہ سے جن باتوں کا خطرہ ہے اگر یہ خطرہ پیش نہ آئے تو خیر ورنہ فوراً واپس ہو جائیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہرحال یہ خبر کہ شاہ عبدالعزیز نے فرنگیوں کی نوکری کی اجازت مولوی عبدالحئی کو دے دی ہے، آگ کی طرح دلّی میں پھیل گئی، شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ مرزا رحیم اللہ بیگ کے پیرومرشد کو شاہ عبدالعزیز کی اس اجازت کی جب خبر ملی تو آپے سے باہر ہو گئے، حالاں کہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا غیر معمولی احترام کرتے تھے ان کے علم پر بھی اور دین پر بھی بھروسہ فرماتے تھے۔ جب ضرورت پیش آتی، شاہ صاحب سے ہی فتویٰ پوچھتے، لیکن اس خبر نے ان کو بے تاب کر دیا، اسی وقت قلم اُٹھا کر ایک خط شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں رقام فرمایا ان کے اسی مکتوب گرامی کا ذکر کرنا میرا مقصود ہے جس سے ان کے باطنی احساسات اور اندرونی رجحانات کا پتہ چلتا ہے خط فارسی زبان میں ہے ترجمہ کے ساتھ اسے درج کرتا ہوں اصل مکتوب فارسی مولٰنا غلام علی شاہ مجددی

حضرت سلامت سلّمکم اللہ تعالیٰ علی رؤس الفقراء
باختیار الفقر علی الغنا بعد تسلیمات کثیرہ
معروض می دارد کہ دریں وقت شخصے
ظاہر نمود کہ در مدرسہ ما فقیران مذکور
"نوکری کفار فرنگ" و قبول خدمت
افتا می شود خدا آگاہ ست کہ فقیر را
شرف علم و علم را شرف بنی آدم گردانیدہ
ازیں خبر ایں فقیر "بسیار تاسف نمود"
خاک نشینی فقراء بہ از صدر نشینی اغنیاء
ہرگز مولوی عبدالحئی صاحب قصد
ایں امر نامبارک نکنند، بناں پارہ
قناعت ساختہ للہ فی اللہ درس

حضرت سلامت اللہ آپ کو ان فقیروں کے سر پر صحیح و سلامتی کے ساتھ رکھے جو فقیری کو امیری کے مقابلہ میں اختیار کر چکے ہیں بعد تسلیمات کثیرہ یہ عرض ہے کہ ابھی ایک شخص نے آکر یہ بیان کیا کہ "کفار فرنگ" کی نوکری کا ذکر ہم فقیروں کے مدرسہ میں چھڑا اور افتا یعنی مفتی ہونے کی نوکری قبول کر لی گئی ہے، خدا جس نے علم کو برتری اور بنی آدم کی بزرگی و شرافت کا ذریعہ اس کو بنایا ہے وہی واقف ہے کہ اس خبر سے اس فقیر کو کتنا غم و افسوس ہو رہا ہے، فقیروں کی خاک نشینی امیروں کی صدر نشینی سے کہیں بہتر ہے ہرگز مولوی عبدالحئی صاحب اس (منحوس)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طالبانِ علم فرمایند و اوقات بذکر
و مراقبہ معمور دارند و دریں جا ہرگز
ہرگز متعلق بعلاقہ نشوند بہ ترک و
تجرید در سازیم و ہر نفس را نفس
آخریں انگاریم برائے خدا باشیم بطور
بزرگانِ خود سلف صالح خود،
زیادہ امیدوار عفو گستاخی ست
و از شنیدن خبر نیک آنجا دل خوش
می شود و بانچہ لایق شانِ درویشی
نیست مشوش، معذور خواہند
داشت زیادہ چہ۔

(فتاوی عزیزیہ ص۹۱)

نامبارک کام کا ارادہ نہ کریں، اپنے آپ کو
روٹی کے ٹکڑے پر چاہیئے کہ قانع بنالیں، اللہ
کے واسطے اللہ ہی کی راہ میں طالب العلموں کو
پڑھاتے رہیں اور اپنی زندگی کے اوقات کو اللہ
کے ذکر و مراقبہ میں مشغول رکھیں اور اس جگہ میں
ہرگز ہرگز تعلق پیدا نہ کریں چاہیئے کہ ہم لوگ (دنیا)
کو چھوڑ کر اس سے علیحدگی پر دل کو راضی کرلیں
اور اپنی ہر سانس کو تصور کریں کہ دنیا کی آخری
سانس ہے، بس اللہ ہی کے لئے ہم لوگ بن
جائیں اپنے بزرگوں، اور سلف صالح کے طریقہ
پر۔ آگے اور کیا لکھا جائے، بجز اس کے اپنی
اس گستاخی کی معافی کا امیدوار رہوں! اس
جگہ (یعنی شاہ عبدالعزیز کے مدرسہ سے) جب
اچھی خبر آتی ہے تو دل خوش ہوجاتا ہے، اور
ایسی بات جو درویشی کے مناسب نہیں ہے
جب اس کی خبر ملتی ہے تو دل پریشان ہوجاتا
ہے مجھے معذور خیال فرمایا جائے گا۔ اس سے
زیادہ اور کیا عرض کیا جائے۔

بجائے خود شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ نامۂ مبارک اس عہد کی تاریخ کا ایک زریں صحیفہ ہے جب اپنی حکومت کھو چکنے کے بعد مسلمان فیصلہ کر رہے تھے کہ انھیں اب کیا کرنا چاہیئے یہ کون جانتا تھا کہ "نوکری کفار فرنگ" کا یہی قصہ آئندہ چل کر اتنی مہیب شکل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اختیار کرلے گا، کہ ملک کے باشندے دو مستقل صفوں میں بٹنے کے بعد جو ایک ملک تھا انجام کار اس کو دو مستقل ملکوں کے قالب میں ڈھال کر رہیں گے اور کیسے دو ملک کہ شاید دنیا کے دو ملکوں کے درمیان آنے جانے والوں پر اتنی پابندیاں زمین کے اس خاکی کرے پر کہیں نہیں پائی جاتیں، جتنی پابندیاں آج اس ایک ملک کے دو تقسیم شدہ حصوں میں پائی جاتی ہیں، خیر اس قصے کو تو چھوڑیے۔ اسی "نوکری کفار فرنگ" کے عشق کی آگ میں جو ملک کا امن و امان جل کر بھسم ہوا مالی اور جانی نقصانوں کا طوفان ہی اُبل پڑا ہے، اور کون جانتا ہے کہ شاہ غلام علی نے جس چیز کو "امر نامبارک" قرار دیا تھا اس کی نحوست کہاں تک پھیلتی ہے اللہ ہی اپنے بندوں پر رحم فرمانے والا ہے، ورنہ واقعہ یہ ہے کہ جو کچھ بیسویں صدی میں سوچا گیا تھا، اور ترک موالات یا نان کو آپریشن کے جس حربہ کو لے کر ہندوستان بالآخر کھڑا ہو گیا۔ اسی ہندوستان میں ٹھیک اسی ہتھیار کو لے کر کھڑے ہونے والے انیسویں صدی ہی میں کھڑے ہو چکے تھے۔ ان بے چاروں کا مضحکہ اُڑایا گیا، یہ ہمارے شاہ غلام علی صاحب جو "نان کوآپریشن" کے اس زمانہ میں سب سے بڑے علم بردار تھے۔ ان کے حالات میں لکھا ہے کہ اپنے یہاں آنے جانے والوں کو ابھارتے ہوئے کبھی کبھی فرمایا کرتے

لنگگے زیرو لنگگے بالا نے غم دزد نے غم کالا

گزک بوریا و پوستکے دلقے پر ز دردِ دوستکے

یہی زندگی اس زمانہ میں اختیار کر لینا چاہیئے۔ گویا "نوکری کفار فرنگ" سے بے نیازی، اور نان کوآپریشن کی تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے شاہ صاحب کا مشورہ تھا کہ اسی لنگگے زیرو لنگگے بالا والے لباس کو اختیار کر لیا جائے (دیکھو خزینۃ الاصفیا ص۶۹۷) شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات دلی ہی میں ۱۸۵۷ء کی کش مکش سے ۳۳ سال پہلے یعنی ۱۸۲۴ء مطابق ۱۲۴۰ھ میں ہوئی، سچ تو یہ ہے کہ ہندوستان کی سرزمین پر بیسویں صدی میں جو تماشا پیش ہوا، اور آج اسی قدرتی تماشے کا نتیجہ ہمارے سامنے ہی کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انیسویں صدی ہی میں اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا خواب دیکھنے والوں کو دکھایا جا چکا تھا، گویا خواب انیسویں میں دیکھا گیا اور تعبیر بیسویں صدی میں پوری ہوئی، بہرحال اس وقت حضرت شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ کے باطنی رجحانات کے جس پہلو کو میں پیش کرنا چاہتا تھا اس کے لئے مذکورہ بالا مکتوب گرامی کافی ہوسکتا ہے وہ اپنے وقت کے بڑے آدمی تھے۔ اس سے اندازہ کیجئے کہ ہندوستان ہی نہیں ہندوستان سے باہر کے رہنے والے بھی دور دور سے ان کی خدمت میں آ آکر مستفید ہوتے تھے شیخ خالد کردی بیرونِ ہند سے آنے والوں میں تنہا نہیں تھے۔ ان کے سوا بھی آخوند شیر محمد ملا گل محمد غزنوی، مولوی ہراتی سید عبداللہ مغربی مولوی عبدالکریم ترکستانی وغیرہم آپ کے مشہور خلفاء تھے جو دلی سے کسب کمال کے بعد واپس ہوئے۔ آپ کے ایک مشہور خلیفہ مولانا محمد جان نامی مکہ معظمہ میں مقیم تھے اور شیخ حرم کے نام سے مشہور تھے۔ اسی کے ساتھ آپ کا دربار مسلم وغیر مسلم معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک کے لئے کھلا ہوا تھا، ضمیمہ مقامات مظہری میں ایک دلچسپ لطیفہ برہمن زادہ کا نقل کیا ہے، جو کافی جمیل وشکیل تھا خدمت والا میں حاضر ہوا اس کی شکل وصورت دیکھ کر حضرت والا کو رحم آگیا لکھا ہے کہ ایک خاص نظر سے اس کی طرف دیکھا، اسی وقت "از زیور کلمہ شہادت بیاراست وحسن را از نورِ اسلام جلا داد" ص۱۲

کچھ بھی ہو، مرزا رحیم اللہ بیگ محمد درویش عظیم آبادی پر رنگ اپنے پیر کا اتنی شدت سے چڑھا ہوا تھا کہ دنیا بھر میں پھرنے پھرانے کے بعد بھی کہتے تھے کہ "مثل شاہ غلام علی شیخ نیافتم" ص۳۵ ضمیمہ مرزا صاحب کے متعلق لکھا ہے کہ اپنے والدین سے عقوق معاف کرانے کے بعد دلی واپس ہوئے گلیم سیاہ پوشید، یعنی "ایک کالا کمبل اوڑھ لیا" یہی ایک سامانِ سفر تھا، لیکن اس کمبل کے نیچے جو کچھ تھا۔ خزینۃ الاصفیاء کے اس فقرے سے اس کا اندازہ ہوتا ہے

"در علومِ ظاہری وباطنی طاق ویگانۂ آفاق بود" ص۲۰۶

اندر علومِ ظاہری وباطنی کے اس سرمایہ کو لئے ہوئے اوپر سے کالے کمبل کو ڈالے ہوئے لکھا ہے کہ دلی سے روانہ ہوئے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"اکثر بلاد اسلام مثل روم و شام و حجاز و عراق و مغرب و ماوراء النہر و خراسان و ہندوستان سیر نمود مذ(صفحہ ۳۵ ضمیمہ)

خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ "تمام ہندوستان را بنیز زیر قدم اورد"، صفحہ ۶۰۷ حاصل جس کا یہی ہوا کہ ہندوستان کے ایک ایک صوبہ اور علاقہ میں بھی گھومتے رہے اور ہندوستان کے بعد ایشیاء و افریقہ کے اسلامی ممالک کی سیر میں بھی محمد درویش عظیم آبادی مشغول رہے ٹھیک اس زمانہ میں جب برطانیہ اور روس کے ڈپلومیٹوں کے درمیان اسلامی ممالک پسے جا رہے تھے شاہ غلام علی کے خلیفہ محمد درویش عظیم آبادی کا ان ہی ملکوں میں گھومنا اور صرف گھومتے پھرنا نہیں بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی ممالک کے ان حکمرانوں سے جو حد سے زیادہ بے بسی کی زندگی گذار رہے تھے ان سے اسی عظیم آبادی درویش کا عموماً تعلق قایم ہو جاتا تھا۔ مولانا شاہ عبد الغنی مجددی نے لکھا ہے کہ ہرات کا اس زمانہ میں جو والی تھا، اور نام اس کا کامراں تھا آپ کے مخلصوں میں شریک ہو گیا تھا اسی طرح خوقند خوا جب پہنچے تو وہاں کا حکمراں بھی آپ کا عقیدت مند بن گیا یہی نہیں شاہ عبد الغنی نے آگے لکھا ہے کہ

"ہم چنیں دیگر ولاۃ ترکستان غاشیہ بر دوش ایشاں شدند" صفحہ ۳۵

اسی سلسلہ میں بالآخر وہ شہر سبز[1] پہنچے، شہر سبز ہرات کے علاقہ کا مشہور زرخیز حصہ کا مرکزی شہر تھا، لکھا ہے کہ وہاں کے حکمراں سے بھی اس عظیم آبادی کمل پوش فقیر کا ایسا قوی ربط قایم ہو گیا کہ اس نے اپنے علاقہ میں قیام پر آپ کو مجبور کیا اور یہ کہ

"دیہہ کلاں نذر نمود"

کوئی بڑا گاؤں اسی سیر حاصل خطہ میں جو کشت زاروں اور باغوں، نہروں سے بھرا ہوا تھا

---

[1] ہرات مشہور شہر ہے بجانب جنوب زرنج جانے والی سڑک پر یہ شہر واقع ہے پہلے اس کو اسفزار کہا کرتے تھے، بعد کو اسی کا نام سبزہ وار ہو گیا، اسی نام کا ایک شہر نیشاپور کے پاس بھی تھا، اس لئے اس کو سبزہ وار ہرات کہتے تھے۔ لیکن آج کل اب صرف شہر سبز کے نام سے موسوم ہے ہر زمانہ میں یہ علاقہ سیر حاصل زمینوں اور باغوں کے لئے مشہور تھا باغوں میں انگور انار کی کثرت ہے ایک دریا ہر رود سیستان اس علاقہ میں بہتا ہے جس کے سرچشمے شہر سبز ہی کے قریب ہیں (دیکھو جغرافیہ خلافت مغربی مصنفہ جی لی اسٹرانج کا ترجمہ صفحہ ۴۳۲)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کو بطور جاگیر ہی کے نہیں دیا گیا بلکہ آگے مولانا شاہ عبد الغنی کے جو یہ الفاظ ہیں کہ

"تعین حکومت خود ازاں دیہ برداشت"

اس سے تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ مرزا رحیم اللہ بیگ کو اس "دیہ کلاں" کی حکمرانی سپرد کر دی گئی تھی، مرزا صاحب نے اسی میں جیسا کہ خزینۃ الاصفیاء میں ہے

شیخ در آنجا خانقاہے بنا کرد، و خدمت مسافرین و مساکین بذمہ خود گرفت ولنگر کلاں انداخت وطعام بکثرت می پخت و بصادر و وارد تقسیم نمود ص ۲۰۶

شیخ یعنی مرزا رحیم اللہ بیگ نے ایک خانقاہ تعمیر کی اور مسافروں مسکینوں کی خدمت کرنے لگے، بہت بڑا لنگر خانہ جاری کیا، بڑی مقدار میں کھانے پکواتے اور آنے جانے والوں میں اس کھانے کو تقسیم کیا کرتے تھے۔

مولانا عبد الغنی مجددی کے بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے، کہ شہر سبز کے اسی علاقہ میں قیام کرنے کے بعد، نکاح بھی اس ملک کی کسی خاتون سے اسی عظیم آبادی درویش نے کر لیا تھا (ص ۳۵)

خزینۃ الاصفیاء کے مصنف نے اسی سلسلہ میں یہ خبر بھی دی ہے، کہ

"اکثر بلادِ ترکستان سیر کرد، و فرمان فرمایان ہر ایک مقام باخلاص پیش می آمدند" ص ۲۰۶

لیکن اسی کے ساتھ ان ہی لوگوں کے بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے، کہ شہر سبز کے حکمراں کے سوا مرزا صاحب مرحوم کی کسی امیر اور والی ملک سے بنی نہیں، کیوں نہیں بنتی تھی؟ اس کی وجہ یہی تھی کہ ان مسلمان امیروں کو اسلامی مطالبات کی تعمیل کی طرف توجہ دلاتے تھے۔ مولانا عبد الغنی مجددی نے اسی وجہ کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ

"از ہر جا رنجیدہ شدہ برمی آمدند"

تو ضنا یعنی خیوہ کے فرماں روا سے بھی رنجیدہ ہو کر خیوہ کو انھوں نے چھوڑ دیا تھا۔ صرف یہی شہر سبز کا والی ایسا آدمی تھا، جو اول سے آخر تک ان کا ہم نوا رہا۔ خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ مرزا صاحب نے شہر سبز کے اس دیہ کلاں میں جب قیام اختیار کر لیا تو شہر سبز کے والی کے جو دشمن تھے وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"بہ سبب دعا و امداد حضرت مرزا صاحب بر دوست ننی یافتند" صث

جس سے بظاہر یہی سمجھ میں آتا ہے، کہ ترکستان جن سیاسی حالات سے اس زمانہ میں گذر رہا تھا۔ اُسی سلسلہ میں کچھ ایسی صورتیں پیش آگئی تھیں کہ شہر سبز کے والی کے لوگ مخالف ہو گئے تھے۔ اور مرزا صاحب دعا ہی سے نہیں بلکہ دعا کے سوا دوسرے طریقوں سے بھی اس کی امداد کرتے تھے۔ افسوس ہے کہ لکھنے والوں نے حد سے زیادہ اجمالی اشاروں سے کام لیا ہے۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ شہر سبز کے والی اور ترکستان کے دوسرے حکمرانوں میں اختلافات کی نوعیت کیا تھی؟۔

انیسویں صدی کے وسط میں روسی حکومت ترکستان میں جو کچھ کر رہی تھی اس کی تفصیلات سے جو واقف ہیں، وہ جانتے ہیں کہ آخری مقام جہاں سے امیر کابل کے مقبوضات میں زمین تیار کرنے کی کوشش روسی حکومت کر رہی تھی۔ بظاہر ہندوستان ہی کی طرف اس کا رخ تھا، یہ مقام ہرات ہی کے آس پاس کے خطے تھے۔ یقینی طور پر تو کچھ کہنا مشکل ہے، لیکن ذہن سوچنے والوں کا اگر اُدھر منتقل ہو کہ شہر سبز کے والی اور محمد درویش عظیم آبادی یعنی مرزا رحیم اللہ بیگ میں رفاقت اور باہمی امداد کی یہ صورت جو پیش آگئی تھی، ممکن ہے کہ اس کا تعلق کچھ اسی روسی برطانوی سازشوں سے ہو، برطانیہ بھی اور روس بھی افغانستان و ترکستان کے اکثر امیروں کو بنگال کا جعفر اور دکن کا صادق بنا چکے تھے، اور کچھ تعجب نہیں کہ مرزا صاحب کے سوانح نگاروں نے جو یہ لکھا ہے، کہ

"بعض حکام ترکستان کہ از والی شہر سبز غبار داشتند ایشاں را (یعنی مرزا رحیم بیگ را) باخفاء قتل کنانید"

(ص۳۵ ضمیمہ مقامات مظہری)

یہ بعض حکام ترکستان، ترکستان کے کوئی جعفر یا صادق ہوں، اور یورپین حکومتوں کے اشارے سے پٹنہ کے اس کمل پوش فقیر کو بحالت غربت و مسافرت وطن سے دور

"و شہادت رسانید ند" صث (خزینۃ الاصفیاء)

لہ امیر دوست محمد خاں جو روس کے زیر اثر ہو گئے تھے ۱۸۳۹ء میں انگریزوں نے ان کو معزول کر کے شاہ شجاع کو کابل کا امیر بنا دیا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کچھ نہیں معلوم کہ شہر سبز کے اس علاقے میں اب بھی اس عظیم آبادی درویش کی کوئی یادگار کم از کم مزار وغیرہ ہی کی صورتوں میں پائی جاتی ہے یا نہیں، بزرگی اور عظمت و احترام کے لحاظ سے دستور کے مطابق چاہیے تو یہی کہ ان کی خانقاہ وغیرہ نہ سہی لیکن مزار مشہور ہو۔ مگر اس کے ساتھ ہم مرزا رحیم اللہ بیگ کی سوانح عمریوں میں ایک اور چیز بھی جو پاتے ہیں، یعنی شہر سبز کے علاقے میں مقیم ہو جانے کے بعد لکھا ہے کہ

"مذہب شافعی اختیار نمود"

اور یہ کوئی چھپی ڈھکی بات نہ تھی مولانا عبد الغنی مجددی کا بیان ہے کہ

"لہٰذا در بخارا وغیرہ ملقب ایشان بہ شافعی ہستند" صـ۳۵

خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ ان ہی ترکستانی علاقوں میں

"باسم مرزا شافعی اشتہار یافت" صـ۶

جیسا کہ معلوم ہے کہ ماوراء النہر اور خراسان کے یہ سارے ممالک جہاں اہل سنت یا سنی مسلمان آباد تھے۔ حنفیت میں ان لوگوں کا غلو حد سے گذرا ہوا تھا۔ ایسی صورت میں اس کٹر حنفی قلمرو میں عظیم آباد کے "یہ مرزا شافعی" اگر بھلا دئے گئے ہوں، تو یہ بھی خلاف توقع واقعہ شاید نہیں ہو سکتا۔

باقی یہ مسئلہ کہ مرزا صاحب مرحوم جن کے سلسلے کے سارے مشائخ حنفی المذہب تھے بلکہ طریقۂ مجددیہ کے بانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی حنفیت پر جو غیر معمولی اصرار تھا۔ اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بیٹھے بٹھائے آخر ان کے شافعی بن جانے کی ضرورت یا مصلحت کیا تھی؟

کوئی تفصیلی جواب اس سوال کا بھی اب تک کتابوں میں نہیں ملا ہے۔ بظاہر یہی خیال گذرتا ہے کہ دنیا کے عام مذاہب میں یہ حادثہ جو پیش آیا یعنی مذہب کی بنیادی کتابوں سے دور ہوتے ہوئے آخر میں ایسی کتابوں پر ان کا دارومدار رہ گیا۔ جن کی حیثیت بنیادی کتابوں کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقابل چنداں قابلِ لحاظ نہ تھی مثلاً ہندوستان ہی میں دیکھئے ویدک دھرم کی بُنیاد جیسا کہ معلوم ہے وید ہے، وید سے کچھ علمی نتائج و کلیات نکالے گئے کہ جو اپنشد کے نام سے مشہور ہوئے وید سے زیادہ اہمیت اپنشدوں کو حاصل ہو گئی۔ پھر شاستروں کا دور آیا اور اپنشدوں سے بھی توجہ ہٹ گئی، شاستروں کے بعد پرانوں کا دور شروع ہوا اور ان ہی پرانوں میں ویدک دھرم کے ماننے والے مختلف فرقے ڈوب گئے، آخر زمانہ میں تو صورتِ حال یہ ہو گئی، کہ سنسکرت زبان کی دو رزمیہ نظمیں رامائن اور مہابھارت، یہی لوگوں کا اوڑھنا بچھونا بن گئیں۔ وہ تو خیر یورپ میں سنسکرت زبان، اور ہندوستانی علوم و فنون کے مطالعہ کا ذوق جب سے بیدار ہوا ہے تو ایک "نئی نشارت"، کا ویدک دھرم میں معلوم ہوتا ہے کہ کچھ دنوں سے آغاز ہوا ہے اور وید اپنشد شاستر س کا ذکر اور تھوڑا بہت مطالعہ کا رواج ہندوستان میں شروع ہوا ہے۔ تفصیل کا تو موقعہ نہیں ہے مختصر یہ ہے کہ اسلام میں بھی زیادہ دنوں کے بعد نہیں بلکہ دوسری صدی ہجری کا درمیانی عہد تھا، اس زمانہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جوانی کے زمانہ میں بغداد پہنچ کر دیکھا کہ جامع بغداد میں چالیس درس کے حلقے قائم ہیں جس حلقہ میں بھی پہنچے ان ہی کا بیان ہے کہ استاذوں اور شاگردوں کی زبانوں پر نہ قال اللہ تھا اور نہ قال الرسول یعنی کوئی نہ قرآن ہی کا حوالہ دیتا تھا اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث پیش کرتا تھا۔ بلکہ جو بھی تھا صرف اپنے استادوں کے اجتہادی نتائج ہی کا ذکر کر رہا تھا۔ اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا موقعہ تھا کہ انجام اس طریقہ کار کا آخر میں کیا ہونے والا ہے اس پر امام شافعی کی توجہ مبذول ہوئی اس کے بعد پورے عزم اور پختہ ارادہ کے ساتھ وہ کھڑے ہو گئے فیصلہ کر لیا کہ کچھ بھی ہو جائے میں مسلمانوں کو اپنے دین کے بُنیادی سرچشموں (قرآن و حدیث) سے بچھڑنے اور دور ہونے نہ دوں گا، اسی مہم کے سر کرنے میں اپنی ساری عمر امام شافعی نے صرف فرما دی، ان کے زمانہ تک قرآن و حدیث سے جو کچھ اجتہادی نتائج نکالے گئے تھے۔ سب ہی کی بے دردی کے ساتھ امام نے تنقید کی، اس باب میں اپنے استاذ اعظم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی بھی پروانہ کی، جس کی داستان طویل ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ قایم کی ہوئی سنت وقفہ وقفہ سے مسلمانوں میں زندہ ہوتی رہی۔ اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ مسلمانوں میں جیسے مذہبی کاروبار کرنے والی اور دینی راہوں سے آمدنی پیدا کرنے والی کوئی خاص نسل اس لئے پیدا نہ ہوسکی کہ شروع ہی میں اس کا انسداد کردیا گیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہی کے متعلق اس کا خطرہ ہوسکتا تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر وخیرات دان پن، بھکشا، وغیرہ آمدنیوں کو اپنی اولاد اور اپنے قریب ترین رشتہ داروں کے خاندانوں میں پیدا ہونے والوں پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام کردیا تھا، اسی طرح مسلمانوں کی مذہبی تاریخ میں مذہبی طبقہ کو "کلیسا" جیسی کوئی چیز پیدا کرنے کا موقعہ اگر نہ ملا تو میرا خیال ہے کہ اس میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہی کے طریقۂ عمل کو دخل ہے، دوسری صدی ہجری ہی سے امام شافعی کے بعد احتجاجی ذہنیت رکھنے والے لوگ وقتاً فوقتاً مسلمانوں میں اُٹھتے رہے اور مذہبی طبقہ سے مطالبہ کرتے رہے کہ مسلمانوں میں جس دین کو تم لوگ پھیلا رہے ہو، اسلام کی بنیادی کتابیں قرآن وحدیث کے تعلیمی معیار پر اس کو جانچ کر دکھاؤ، ایک رواج تھا جس کی بنیاد امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانہ میں ڈال دی، حسب ضرورت رواج زندہ ہوتا رہا میرا خیال ہے کہ مرزا رحیم اللہ محمد درویش عظیم آبادی ترکستانی علاقوں میں شافعی کے نام سے جو مشہور ہوئے اس میں ان کے اسی احتجاجی اور تنقیدی مطالبات ہی کو دخل معلوم ہوتا ہے، کیونکہ کچھ بھی ہو، اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ باوجود ان احتیاطوں کے مسلمان بھی مختلف ممالک میں گرتے ہوئے یہاں تک پہنچے ہیں کہ ہر وہ کتاب جو فقہ کے نام سے لکھی گئی۔ اس نے کبھی کبھی اعتماد و وثوق کا ایسا مقام مسلمانوں میں حاصل کرلیا جس کا استحقاق شاید قرآن اور دین کے متواترات کے سوا کسی چیز کو حاصل نہیں، کیدانی فقہ کے متن کی ایک عبارت کی بدولت سرحد کابل اور ترکستان وغیرہ میں ایک معمولی فقہی جزئیہ کی وجہ سے جو فتنہ صدیوں برپا رہا[1]

---

[1] یعنی نماز میں بیٹھ کر التحیات پڑھتے ہوئے تشہد کے موقعہ پر انگلی اُٹھائی جائے یا نہ اُٹھائی جائے، کیدانی

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

© rasailojaraid.com

اہل علم اس سے واقف ہیں گویا کوئی ایسی صورت پیش آجاتی تھی کہ ہر وہ شخص جو ہم سے پہلے مذہب یا دین کے نام سے کچھ لکھ کر مرگیا، وہی ہمارا دین بن جاتا تھا آج کل کلچر کے لفظ کا جادو جس کام کو انجام دے رہا ہے، ہر بُری بھلی بات، حد سے زیادہ احمقانہ ہی کیوں نہ ہو، لیکن صرف اس لئے کہ والد مرحوم یا دادا جان یہی کرتے تھے، کلچر کا نام دے کر اس زمانہ میں بھی اصرار کرنے والے اصرار کر رہے ہیں اور کیسا اصرار؟ حالاں کہ ہم میں ہر شخص چند ہی سالوں کے بعد خود ہی والد مرحوم اور دادا جان بن جانے کا فخر حاصل کرلیتا ہے۔ والد یا دادا جان ہو جانا سمجھ میں نہیں آتا کہ کسی خبر کی صحت اور سچائی کا معیار کیسے بن سکتا ہے، بشی مینوں میں بھی والد مرحوم اور دادا جان بنتے چلے جانے کا سلسلہ جاری رہتا ہے بہرحال "پروہت" اور "کلیسا" وغیرہ قصے مسلمانوں میں نہیں پیش آئے لیکن اسی کے ساتھ انحطاط و تنزل کے زمانہ میں یہ تو سنا جاتا ہے کہ امیر حمزہ کی داستان تک بعض علاقوں میں مذہب کی مقدس کتاب کی حیثیت سے پڑھی جاتی تھی، اور یہ تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ معجزہ آلِ نبی، قصہ شاہ روم، نور نامہ کا پاٹ لوگ شفا حاصل کرنے کے لئے کر رہے ہیں گویا ان نظموں کے ایک ایک شعر کی حقیقت ناطق حجت کی تھی۔ پچھلے دنوں ہندوستان میں اہلِ حدیث یا غیر مقلدیت کی تحریک سچ پوچھئے تو مرزا رحیم اللہ بیگ محمد درویش عظیم آبادی کے شافعی المذہب بن جانے ہی کی ایک شکل تھی، جس میں فرق زیادہ غلو اور تشدد پیدا ہو گیا تھا، بجائے خود یہ تحریک جو کچھ بھی ہو، لیکن اس کو تسلیم کرنا چاہئے کہ اپنے دین کے اساسی سرچشموں (قرآن و حدیث) کی طرف توجہ ہندوستان کے حنفی مسلمانوں کی جو بٹی اس میں اہلِ حدیث اور غیر مقلدیت کی اس تحریک کو بھی دخل ہے۔ عمومیت غیر مقلد تو نہیں ہوئی، لیکن تقلید جامد اور کورانہ اعتماد کا طلسم ضرور ٹوٹا، کہا جا سکتا ہے کہ اصلاح و تجدید کی اس ضرورت کی طرف اہل حدیث والی تحریک سے پہلے اس بہاری درویش کا ذہن منتقل ہوا۔ اور اسی میں جہاں تک میرا خیال ہے ان کی شافعیت کا راز غالباً مستور تھا، فرحمۃ اللہ علیہ[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کے ایک فقرے سے معلوم ہوتا تھا کہ انگلی اٹھانا نہیں چاہیئے، اسی فقرے پر اصرار کرنے والے . . .
. . . اصرار کرتے تھے اور جو اٹھاتا تھا، یہ تاریخی واقعہ ہے کہ بسا اوقات ان کی انگلیاں توڑ دی گئیں یا تراش لی گئیں، علامہ رشید رضا مصری نے براہ راست بعض شامیوں سے پوچھا انھوں نے اس کا اقرار کیا، ۱۲
[1] مضمون جن لوگوں کی نظر سے گذرے ان لوگوں سے التماس ہے کہ مرزا رحیم اللہ بیگ کے متعلق کچھ جانتے ہوں تو مجھے یا دفتر تہذیب کو مطلع کریں مرزا صاحب کی شہادت پر کل ایک سو چار سال کی مدت گذری ہے ممکن ہے کہ جس خاندان سے ان کا تعلق تھا ابھی اس کے افراد باقی ہوں اور خاندان کے ایک بزرگ کی حیثیت سے ذکر و اذکار ان کا کیا جاتا ہو اپنی حکومت (انڈین یونین) کا کابلی سفارت خانہ بھی چاہے تو بہار کے اس فرزند سعید و شہید